ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

عورت: تاریخ کے تصورات

☆ڈاکٹر سجاد نعیم
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ ءاردو، دی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
☆☆محمد اویس
ریسرچ اسکالر ایم فل، شعبہ ءاردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
☆☆☆جویریہ ظفر
ایم فل اسکالر، شعبہ ءاردو، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان

Abstract:
If we look at the woman in the context of history, there have been various discussions about her.Before the agrarian revolution, women ruled and she worked alongside the man. Men worshiped women. But later there came a time when the society entered the patriarchal system, its existence was also denied. In almost all religions, women are considered inferior to men. In addition, social, political and societal restrictions have been the destiny of women. But when the women's movement began, women struggled for their individual freedom, and gained the right to vote. The article under review presents the evolutionary journey of a woman. She has made a strong identity after a long journey of darkness. Women have made their presence felt in all walks of life. It is also important to note that different male intellectuals have also expressed their views on women without any prejudice. In this way, the pen of a woman becomes a metaphor of resistance against oppression and rebellion even today.

تاریخ اور عورت کو مختلف نظریات کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ جبکہ دنیا کی مادی ترقی میں عورت نے اساسی کردار ادا کیا ہے۔ اس لیے عورت کا وجود ہمیشہ ناگزیر رہا ہے۔ ایک وقت تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ تاریخ کی تشکیل میں صرف مرد ہی اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لیے پیغمبروں سے لے کر بڑے بڑے فاتحین سب مرد ہی تھے۔[۱] تاریخ میں عورت کا کیا مقام تھا اس حوالے سے عورت کے وجود کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ تاریخ میں عورت کو کوئی شے سمجھا جاتا تھا۔ عورت کی کوئی مرضی شامل نہیں ہوتی تھی۔ ابتدائی دور میں جب جنگیں وقوع پذیر ہوتی تھیں تو امن کا ماحول دوبارہ قائم کرنے کے لیے مخالف قبیلوں کو شادی کے لیے عورتیں بھیج جاتی تھیں اور اس کے لیے سیاہ اور سفید نام قبیلوں کی تمیز بھی روا نہیں رکھی جاتی تھیں۔ قبائلی عہد میں بھی مرد عورت کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتا رہا ہے اور اس نے کئی فوائد بھی حاصل کیے۔ ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں:

"مرد نے اپنی عزت اور تخت و تاج بچانے کی خاطر اپنی عورتوں کو قربان کیا ہے۔ مثلاً بابر جب عمر قید میں تھا تو اس کی جانی دشمن شیبانی خان نے سمرقند کا محاصرہ کر لیا اور بابر کے لیے فرار یا کامیابی کی کوئی امید نہیں رہی تو اس نے اپنی بہن خانزادہ بیگم کو شادی کے لیے شیبانی خان کے حوالے کر دیا اور خود وہاں سے فرار ہو گیا۔ راجپوت حکمرانوں نے آکبر شادی کے لیے اپنی لڑکیاں پیش کیں تاکہ وہ مغل خاندان اور سلطنت کا حصہ بن کر مراعات حاصل کریں۔"[۲]

عورت کا قصہ صرف مرد کے فوائد حاصل کرنے تک تھا اس کے بعد وہ گمنامی اور تاریکی کی زندگی گزارتی تھی۔ تاریخ اس حوالے سے خاموش دکھائی دیتی ہے کہ اس نے اپنی قربانی دے کر کتنی جنگوں کو روکا اور امن قائم کیا۔ جنگ کے بعد عورت کو مال غنیمت کے طور پر اپنے نرغے میں لیا جاتا تھا اور فاتح حکمران بہت خوشی سے بتاتے تھے کہ ان کے حصے میں کتنی عورتیں آئیں۔ جنگ کے ماحول میں سب سے زیادہ اذیت عورت نے برداشت کی ہے۔ سپاہی مفتوح عوام کی عورتوں کی آبروریزی کرتے۔ وہ اپنی مردانگی کو ثابت کرنے کے لیے بھی عورت کو نشانہ بناتے تھے۔ عورت نے مختلف حکمرانوں کے سیاسی اور معاشی مفادات کو بھی فاش کیا۔ اس کے لیے حجاج بن یوسف کی مثال دی جا سکتی ہے کہ جس نے عورت کو آزاد کروانے کے لیے سندھ پر حملہ کیا مگر مال و دولت لوٹنے کے بعد اس بات کا تذکرہ نہیں ملتا کہ اس عورت کے ساتھ کیا ہوا۔ فتح کے بعد عورت اہم نہیں رہی تھی۔[۳] اس وجہ سے اسے تاریخ کے قبرستان میں خاموشی کے ساتھ دفنا دیا گیا۔ تاریخ میں عورت اور مرد ہمیشہ تضاد کے طور پر سامنے آئے ہیں۔

عورت کو ہمیشہ تمام برائیوں اور فسادات کی وجہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ جب بھی کسی قوم کے زوال کا ذکر آتا تو اس میں عورت کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا۔ عورت تاریخ میں مرد کی غلام رہی ہے۔ وہ جنگ سے نفرت کرتی ہے مگر مرد کی خوشی کی خاطر اپنے بچوں کو بھی جنگ پر بھیج دیتی ہے۔ عورت کی کوئی حیثیت ہمارے سامنے نہیں آتی اور وہ ہر جگہ مرد کے لیے اپنے وجود کو فراموش کرتی رہی ہے۔

تاریخ سے کنارہ کرتے ہوئے اگر ہم انسانی تہذیب کے ارتقاء کا جائزہ لیں تو اس میں ہمیں عورت کا ایک اور پہلو نظر آئے گا جو بالکل حیران کن اور انوکھا ہے۔ تاریخ چونکہ تاریخ مردوں نے لکھی اس وجہ سے عورت کو حاشیے سے لگا دیا گیا۔ جبکہ تہذیبی عمل کے بننے میں عورت نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ تاریخ انسانی میں سب سے بڑا انقلاب "زرعی انقلاب" سمجھا جاتا ہے اور عورت ہی اس کی بنیاد گزار تھی۔ اس دور میں چونکہ وہ مرد سے آزاد تھی اس لیے منفرد حیثیت رکھتی تھی۔ مرد خدمت گزار ہوتا تھا اور وہ عورت کے تابع تھا۔ علی عباس جلالپوری لکھتے ہیں:

"مرد عورت پر کسی نوع کا حقِ زوجیت نہیں رکھتا تھا۔ عورت اس کے ساتھ تحلئے میں جاتی تو مرد اس کا احسان مند ہوتا تھا اور گھر کا کام کاج کر کے اس کی خدمت کرتا تھا، جیسا کہ آج بھی بعض وحشی قبائل میں رواج ہے، جزائر ٹروبرانڈ کے باشندوں میں جن کا سماج مادری اصولوں پر مبنی ہے۔ عورت کی سیادت مرد پر مسلم ہے۔ بچے اپنی ماں کے پاس رہتے ہیں۔ بیوی شوہر کو اپنے میکے لے آتی ہے۔"[۴]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

مادرانہ نظام میں عورت تخلیق کا منبہ سمجھی جاتی تھی۔ اس نے زمین میں بیج بونے اور پھل اگانے کا ہنر دریافت کیا۔ عورت زرخیزی کا استعارہ بن کر ابھری۔ کیونکہ وہ بچے پیدا کر سکتی تھی۔ اس کے پاس نسل کو بڑھانے کا ہنر تھا۔ عورتوں کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب کوئی فوت ہوتا تو اسے قبر میں اس انداز سے لٹایا جاتا تھا کہ جیسے اسے دوبارہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا ہے۔ عورت پر یہ قدغن بھی نہیں تھی کہ وہ اپنا ایک شوہر رکھے، بلکہ وہ اپنی مرضی سے مردوں کا انتخاب کر سکتی تھی۔ ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں:

"ابتدائی زراعی زمانہ میں عورت کی اس اہمیت کی وجہ سے مادرانہ معاشرہ قائم رہا اور عورتیں قبیلوں کی سربراہ تھیں اور ان ہی کے نام سے نسل چلتی تھی۔ اس کی وارث اس کی لڑکیاں ہوتی تھیں اور چونکہ باپ کے بارے میں پتہ نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے ماں کے ذریعہ ہی سے خاندانی سلسلہ چلتا تھا۔ زمین اور مکان مشترکہ ملکیت ہوتے تھے۔ معاشرہ میں بہن بھائی کا رشتہ مضبوط ہوتا تھا۔ چونکہ شوہر دوسرے قبیلہ سے آتا تھا اس لیے وہ اجنبی ہوتا تھا۔"[۵]

عورت جس مقام و مرتبہ کے ساتھ سماج میں زندگی گزار رہی تھی اور معاش کے ذرائع پیدا کر رہی تھے تو پھر اس کی کایا کلپ کیسے ہوئی؟ وہ مرد کے مطیع کیونکر ہوئی؟ مادرانہ نظام کی منتقلی پدرانہ نظام میں کیسے ہوئی؟ اس کا جواب ہے ذاتی ملکیت کا تصور۔ زراعت میں جب پیداوری ذرائع تبدیل ہوئے تو مرد نے معاشی وسائل اور عورت پر تصرف حاصل کیا۔ مرد نے مختلف اوزار اور ہتھیار ایجاد کیے۔ جن سے وہ زرعی سماج کا مالک بن گیا۔ عورت کسی کھرپی کے ساتھ بیج بوتی اور زمین نرم کرتی تھی مگر ہلوں کی ایجاد کے بعد مادرانہ نظام آہستہ آہستہ ختم ہو گیا اور عورت جسے اساسی حیثیت حاصل تھی اس کا مقام و مرتبہ بھی گھٹ گیا۔ ول ڈیورانٹ اپنی کتاب "انسانی تہذیب کا ارتقائ" میں لکھتے ہیں:

"جیسے جیسے زراعت میں پیچیدگیاں پیدا ہونا شروع ہوئیں اور اس سے زیادہ فائدہ ہونے لگا، ویسے ویسے صنف توانا (مرد) نے اسے زیادہ سے زیادہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مویشی پالنے سے مرد کو دولت کا نیا ذریعہ، طاقت اور قوت ملی۔ زراعت جو یقیناً قدیم طاقتور نمردوں کو بے کیف لگتی تھی بالآخر مردوں نے اسے تسلیم کر لیا، اس کے ساتھ ہی معاشی رہنمائی جو ایک مدت تک عورتوں کے پاس تھی وہ اب مردوں کے دائرہ اختیار میں آگئی۔"[۶]

مردوں نے معاشرے کو طبقات میں تقسیم کرنے کے لیے اپنی جسمانی قوت کو استعمال کیا۔ انہوں نے زیادہ سے زیادہ املاک اور ذاتی جائیداد حاصل کرنے کے لیے عورتوں کا استحصال کیا۔ وہ حکمرانی کا خواب دیکھنے لگا اور پوری طرح سے معاشرے پر تسلط حاصل کر لیا۔ مادرانہ نظام میں 'میں'، 'میرا اور' مجھے' جیسے الفاظ مفقود تھے جبکہ پدرانہ نظام کی بنیاد ہی ذاتی ملکیت کے تصور پر رکھی گئی۔ ماضی میں عورت کو دیوی کا درجہ حاصل تھا۔ لوگ دیوتا سے پہلے دیوی کو یاد کرتے تھے۔ مرد نے اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے دیوتا کی حاکمیت کو لوگوں کے ذہنوں میں مضبوط کیا۔ زاہدہ حنا لکھتی ہیں:

"عورت کے اقتدار کے خاتمے کے لیے مرد نے سب سے پہلے لوگوں کے دلوں سے دیویوں کا دبدبہ کم کرنا شروع کر دیا۔ اس مقصد کے لیے وہ دیویوں کی جگہ دیوتاؤں کو لے آیا اور دیویوں کے تمام اوصاف دیوتاؤں سے منسوب کر دیے گئے۔ جب چند گھروں پر مشتمل چھوٹی چھوٹی بستیاں پھیل کر شہر بن گئیں تو ان شہروں کے نام دیوتاؤں پر رکھے جانے لگے، دیوتا 'مرد' تھے اس لیے دیوتاؤں کے عروج کے ساتھ ساتھ مرد کی عزت اور اس کے اقتدار میں بھی اضافہ ہوا۔"[۷]

عورت نے فطرت سے اپنا ناطہ جوڑے رکھا۔ کیونکہ وہ تخلیق کر سکتی تھی اور فطرت کے قریب تھی دوسری طرف مرد نے فطرت کی نفی کی اور وہ طاقت کے نشے میں اس قدر ڈوب گیا کہ عورت کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ عورت اپنی اولاد کو مرد سے زیادہ چاہتی تھی کیونکہ اس کا بچوں سے رشتہ فطری تھا۔ مرد کا تعلق دنیا سے زیادہ جڑ گیا تھا اس وجہ سے وہ اپنے بچوں کو نظر انداز کرتا رہا۔ عورت بچے کو جنم دیتے وقت زیادہ تکلیف محسوس کرتی ہے اس لیے نفسیاتی اعتبار سے بھی وہ بچوں کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ حمیرہ ہاشمی لکھتے ہیں:

"جدید دور کے ماہرین نفسیات میں سے غالباً فرائڈ وہ پہلا فرد تھا جس نے عورتوں کا ایک الگ نفسیاتی نظریہ پیش کیا۔ بچوں کی نفسیاتی اور جنسی نشوونما کا نظریہ پیش کرتے ہوئے فرائڈ ایک بچے اور ایک بچی کی نشوونما کے مراحل میں تفریق کرتا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق لڑکا اپنے بچپن کے برسوں میں اپنی ماں کو اپنی محبت کا مرکز سمجھتا ہے اور محبت کے اس مرکز کے ساتھ اپنے تعلق کے سلسلے میں وہ اپنے باپ کو اپنا رقیب سمجھتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی ماں سے محبت اور باپ سے نفرت کرتا ہے۔ فرائڈ اسے 'ایڈیپس کمپلکس' (Oedipus Complex) یعنی 'ایڈیپس تنقید' کا نام دیتا ہے۔"[۸]

سرمایہ دارانہ اور جاگیردرانہ سماج میں جتنے بھی اصول وضع ہوئے اس میں مرکزی حیثیت مرد کو حاصل ہوئی کیونکہ وہ طاقت کا ذریعہ بن چکا تھا۔ تمام مذاہب میں عورتوں کو ان کی اصل شناخت واپس دلوانے کی بجائے انہیں غلام بنا دیا گیا۔ ہندوستان میں حکمرانوں نے عورتوں کے مسائل میں اضافہ کیا۔ مسلمان حکمرانوں نے عورتوں کے حقوق کے لیے اقدامات کرنے کی بجائے اپنے شاہانہ مزاج کو مد نظر رکھا۔ جن عورتوں کے بادشاہوں کے ساتھ تعلقات ہوتے انہیں تادم مرگ الگ جگہ پر رکھا جاتا تاکہ وہ کسی اور کے ساتھ کوئی تعلق نہ بنا سکیں۔ ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں:

"وہ تمام عورتیں جن سے بادشاہ کا تعلق ہوتا تھا، انہیں سب سے علیحدہ کر کے محلات میں حفاظت سے رکھ دیا جاتا تھا اور اس کے بعد انہیں اجازت نہیں تھی کہ وہ بادشاہ کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد کسی اور سے شادی کریں یا جنسی تعلق رکھیں۔ یہ عورتیں بادشاہ اور حکمران کی عزت و آبرو، شان بن جاتی تھیں اور جرم ان کے لیے ابدی قید تھی۔"[۹]

عورت کی حیثیت ختم کرنے میں سماج میں موجود تمام عوامل نے اپنا اہم کردار ادا کیا۔ اس کی انتہا اس وقت ہوئی جب عورت کو مرد کی بگڑی ہوئی شکل قرار دیا۔ اسے گناہ اور برائی کا استعارہ سمجھا جانے لگا۔ اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں تھی بلکہ اسے اپنی زندگی مرد کے تابع گزارنی تھی۔ اس لیے وہ پدرانہ نظام میں کبھی بھی اپنی حیثیت دوبارہ حاصل نہ کر سکی۔ یورپ میں جب نشاۃ الثانیہ کی تحریک کا آغاز ہوا تو اس میں بھی عورت کو نظر انداز کیا گیا۔ کیونکہ عورت اپنی سماجی حیثیت گنوا چکی تھی۔ اگر عورت کو اس کا اصل مقام و مرتبہ حاصل ہوتا تو اس کی جدوجہد بھی رنگ لاتی کیونکہ عورت نے ہمیشہ جمہوری رویوں کا ساتھ دیا ہے۔ ڈاکٹر سید احمد جعفر لکھتے ہیں:

"خواتین کی تحریکیں جب معاشرے کی مجموعی جمہوری تحریکوں کا حصہ بنتی ہیں تو اس سے ان کے مقاصد سے وسیع تر پیمانے پر آگاہی کا ماحول پیدا ہوتا ہے اور جمہوری تحریکوں کا فائدہ پہنچتا ہے۔ یہی چیز آئندہ کے لیے بھی خواتین کے لیے ایک راہ کشا حقیقت بنی رہے گی کہ وہ اپنے معاشروں کی مجموعی آزادی اور بہبود کے لیے تحریکیں چلائیں یا اگر ایسی تحریکیں چل رہی ہوں تو ان میں اپنے پروگرام کے ساتھ شامل ہوں، کیونکہ مسئلہ صرف عورت کی غلامی اور آزادی کا ہی نہیں ہے بلکہ ایک ایسے سماج کا جو غلط اور غیر منصفانہ بنیادوں پر استوار ہوا ہے"۔ [۱۰]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

عورت نے اپنی سماجی حیثیت حاصل کرنے کیلئے طوائف کا پیشہ اختیار کیا۔ وہ اپنے اس شعبے میں با اختیار تھی اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزار سکتی تھی۔ کیونکہ جب بھی کوئی انسان پیشہ اختیار کرتا ہے تو وہ با اختیار ہو جاتا ہے اور کسی کا غلام نہیں بن سکتا۔ وہ اپنی زندگی کے اصول خود وضع کرتا ہے اور سماجی پابندیوں سے آزادی حاصل کر لیتا ہے۔ عورت نے بھی طوائف کا روپ اختیار کر کے مرد پر تسلط حاصل کرنے کی کوشش کی۔ طوائف کی دنیا میں عورت کا حکم چلتا تھا اور وہ اپنی مرضی کے مطابق مرد کے ساتھ پیش آتی تھی۔ اس لیے طوائف کے پیشے کو اختیار کرنے کے پیچھے عورت کے ذہن میں حاکمانہ تصور بھی ہوتا تھا۔ طوائف کو ہمیشہ بری نظروں سے دیکھا جاتا رہا ہے جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ طوائف کا پیشہ مرد کی وجہ سے زندہ رہتا ہے۔ عورت اس وجہ سے مجرم کہلاتی ہے کیونکہ وہ ہر وقت کوٹھے پر موجود ہوتی ہے جبکہ گاہک ہمیشہ اپنی شناخت چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس وجہ سے عورت کم تر سمجھی جاتی ہے۔ پروفیسر کشن سنگھ لکھتے ہیں:

"جنس کو بطور جنس برا اور گناہ گار قرار دینے سے طبقاتی سماج کو دو فائدے ہوتے ہیں۔ اس سے ایک تو عورت کو احساسِ کمتری کا احساس دلایا جاتا ہے۔ یہ اسے (عورت) کو غلام رکھنے کا وسیلہ ہو گیا اور دوسرا اس کی اپنی (پدرانہ نظام) کی اصلیت بھی چھپ گئی۔ ہر طبقاتی سماج، سماج کا طبقاتی جزو اور مرد کا حاکمانہ مزاج اسے خود غرض اور لالچی بناتا ہے تاکہ وہ اپنی اصلیت کو چھپا سکے۔ وہ اپنے وحشی پن کو چھپانے کے لیے جنس کو گناہ کا استعارہ قرار دیتا ہے"۔ (ترجمہ)[۱۱]

طوائف کا روپ دھارنے کے بعد عورت خود کو مضبوط سمجھتی ہے۔ وہ شادی کو غیر مناسب خیال تصور کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں عورت کسی کی غلامی میں زندگی گزارتی ہے جبکہ طوائف کے روپ میں وہ پیسے بھی کماتی ہے اور اپنے فیصلوں میں آزاد ہوتی ہے۔ عورت کی ذاتی، سماجی اور سیاسی حیثیت کو ختم کرنے میں مذہب کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ تمام مذاہب میں خالق کا تصور مردانہ ہے اس لیے دنیا میں مرد کو بھی اسی مقام و مرتبے پر فائز کیا جاتا ہے۔ آریاؤں کی آمد سے قبل عورت کو افضل اور اعلیٰ تسلیم کیا جاتا تھا۔ جب سماج مادرانہ نظام سے پدرانہ نظام میں داخل ہوا تو دیوی کی جگہ دیوتا نے لے لی۔ ہندو مذہب میں عورت کی حیثیت کو قائم کرنے میں مہابھارت اور رامائن کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مہابھارت میں عورت کو جنسی آزادی حاصل تھی۔ مہابھارت کا مرکزی کردار پانڈ اپنی بیوی کنتی کو یہ آزادی دیتا ہے کہ وہ کسی بھی مرد سے تعلق استوار کر سکتی ہے مگر رامائن میں عورت کو یہ آزادی نہیں تھی کہ وہ اپنے شوہر کی وفات کے بعد کسی مرد سے کوئی تعلق قائم کر سکے۔ رامائن میں عورت کی حیثیت تبدیل شدہ ہے۔ ہندو معاشرے میں عورت کا تصور آہستہ آہستہ تبدیل ہوتا رہا۔ مذہبی پیشوائوں نے عورت کو شوہر کی خدمت کا اولیں مقصد قرار دیا۔ ڈاکٹر مبارک علی اپنی "کتاب قدیم ہندستان" میں لکھتے ہیں:

"ہندوستانی سماج میں عورت کی حیثیت وقت کیساتھ ساتھ تبدیل بدلتی رہی ہے۔ ویدوں کے ابتدائی دور میں یعنی ۳۰۰ق۔م تک عورتوں کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن اس کے بعد عورت کی حیثیت گرتی چلی گئی اور اس پر تعلیم کے دروازے بند کر دیے گئے۔ اب وہ ویدوں کے سمجھ بھی نہیں گا سکتی تھی کیونکہ عبادات کی رسومات پر برہمن مردوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ لہذا اب ان کا مفاد تھا کہ مذہبی رسومات میں ان کے علاوہ اور کوئی دخل نہ دے۔"[۱۲]

عیسائیت میں بھی عورت کے گرد مختلف نوعیت کی پابندیاں لگائی گئی تھیں۔ چرچ نے سب سے پہلے راہبوں کو عورت کی قربت سے دور کیا۔ تاکہ وہ شادی نہ کر سکیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ عورت مرد کو اصل راہ سے بھٹکا سکتی ہے۔ چرچ کا خیال تھا کہ جنسی لذت حاصل کرنے کے بعد مرد اپنی توانیاں کھو دیتے ہیں اس لیے مذہبی پیشواؤں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی قوتیں مذہب کی ترویج کے لیے بروئے کار لائیں۔ ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں:

"جیسے جیسے چرچ اپنے عہدے داروں پر کنوارے پن کی پابندیاں لگاتا گیا ایسے ایسے وہ عورت کے خلاف ہوتا چلا گیا اور اس کا سماجی درجہ گرتا چلا گیا۔ کیونکہ عورت کو برائی، گناہ اور خرابی کی علامت بنا کر ہی وہ تجرد کی مہم کو کامیاب بنا سکتا تھا۔ چنانچہ چرچ کی مختلف مجلسوں نے عورت کے خلاف مہم چلائی۔ مثلاً الویرا (Elvira) کی مجلسوں نے راہبوں پر پابندی لگا دی کہ کوئی راہب اپنی بیٹی کو بھی اپنے گھر میں نہیں رکھے گا۔ ہاں اگر وہ کنواری ہوں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ ہمیشہ باعصمت رہیں گی۔"[۱۳]

چرچ نے راہب کو تجرد کی زندگی گزارنے کا حکم دیا۔ انہیں عورت سے اتنا ہی دور رہنے کا کہا ہے کہ جتنا وہ خود کو روحانی طور پر افضل سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ صوفیاء کرام بھی عورت کو اپنا رقیب سمجھتے تھے ان کا خیال تھا کہ وہ عبادت گزار اور خدا کے درمیان رکاوٹ بنتی ہے۔ ان نظریات کو تقویت دینے کے لیے وہ حوا اور آدم کا قصہ بھی یاد کرتے ہیں کہ جس میں آدم کو زمین پر لانے کی ذمہ دار بھی عورت تھی۔ تمام مذاہب میں عورت کی اہمیت اور مقام و مرتبہ کم کرنے کے لیے مردوں نے ہی مختلف احکامات دیے۔ انہوں نے عورتوں کے لیے توہین آمیز کلمات کہے۔ اس طرح یہ سوال بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ آج بھی تمام گالیاں عورتوں سے کیوں منسوب کی جاتی ہیں؟

عورت نے پدرانہ نظام میں خود کو تنہا اور بے بس محسوس کیا ہے۔ اس نظام نے ہمیشہ عورت کی آزادی کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور فاشزم کے لیے راہ ہموار کی جبکہ مادرانہ نظام میں برابری اور جمہوریت کے واضح اشارے ملتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت نے ہمیشہ امن و محبت کا خواب دیکھا ہے اور وہ اس دنیا کو جنگ و جدل سے پاک دیکھنا چاہتی ہے۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ راجہ رام موہن کے علاوہ ہندوستان میں کسی نے بھی عورتوں کے حق میں کسی تحریک آغاز نہیں کیا۔ مغرب میں بھی صنعتی انقلاب کے بعد عورت نے اپنے بل بوتے پر ترقی کی منزلیں طے کیں اور ۱۹۱۸ء میں ووٹ کاسٹ کرنے کا حق حاصل کیا۔ عورت نے پہلی جنگِ عظیم میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کیا اور اپنے ماضی کے روپ کو دوبارہ زندہ کیا۔ مارگریٹ ویلٹیرز (Margaret Walters) کا خیال ہے:

"The effects of the first world war had been so complex that it is impossible to generalize about them.It had allowed some womens that opportunity to work outside the home rose by well over a million.Some worked in munititons factories and engineering works, others were employed in hospitals; many demanded pay rises , sometimes insisting their wages should be equal to men's."[14[

آج کی عورت باشعور ہے اور مرد کے شانہ بشانہ چلتی ہے۔ وہ اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانا چاہتی ہے۔ وہ وجودیت، موجودیت اور فیمینزم سے آشنا ہے۔ عورتوں کی تحریکیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اس نے شکست تسلیم نہیں کی۔ اس نے خاموشی سے اپنا سفر طے کیا ہے اور اپنے وجود کو قائم رکھا ہے۔ عورت آج ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں کردار ادا کرتی نظر آتی ہے۔ وہ ماضی میں ملنے والی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

ناکامیوں سے خوفزدہ نہیں ہے بلکہ مستقبل کی جانب گامزن ہے۔ عورت پر کئی مرد دانشور بھی لکھتے ہیں اور وہ عورت کی انفرادی آزادی پر یقین رکھتے ہیں۔ اردو ادب میں ہمیں شاعری، فکشن اور فلسفہ کی سطح پر ایسی کئی خواتین بھی نظر آتی ہیں جو قلم کے ذریعے عورت مخالف رویوں کی مزاحمت کے لیے ہمیشہ تیار رہتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور عورت، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۔۸

۲۔ ایضاً، ص۔۱۰،۹

۳۔ ایضاً، ص۔۱۵

۴۔ علی عباس جلالپوری، تاریخ کا نیا موڑ، تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص۔۱۷،۱۶

۵۔ مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور عورت، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۔۲۶

۶۔ ول ڈیورانٹ، انسانی تہذیب کا ارتقاء، مترجم: تنویر جہاں، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۲۰ء، ص۔۵۵

۷۔ زاہدہ حنا، عورت: زندگی کا زنداں، تخلیق کار پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۶ء، ص۔۲۵

۸۔ حمیرہاشمی، نسوانیات اور نفسیات، مشمولہ، عورت، انتخاب و ترتیب: کشور ناہید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص۔۲۹۸

۹۔ ایضاً، ۶۵

۱۰۔ جعفر احمد، سید، ڈاکٹر، حقوق نسواں کی عالمی تحریک: ایک اجمالی جائزہ، مشمولہ، تاریخ میں عورت کا مقام، ترتیب: ڈاکٹر مبارک علی، فکشن ہائوس، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۔۸۷

۱۱۔ کِشن سِنگھ، پروفیسر، آزاد عورت، سُچیت کتاب گھر، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۔۴۶

۱۲۔ مبارک علی، ڈاکٹر، قدیم ہندوستان، تاریخ پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص۔۹۵

۱۳۔ مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور عورت، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۔۵۳

۱۴۔ Margaret Walters, Feminism(A Very Short Introduction),Oxford Universty Press, Karachi,2007,P.86